اردو (لازمی)	انٹر (پارٹ-II)	پرچہ II: (انشائی طرز)
وقت: 2.40 گھنٹے	2019ء (پہلا گروپ)	کل نمبر: 80

(حصہ اوّل)

سوال :2-(الف) درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔ نظم کا عنوان اور شاعر کا نام بھی لکھیے۔ (1,1,8)

شمس و قمر کو ضد ہے کہ گرم سفر رہیں بے رنگیوں میں خالق شام و سحر رہیں
شہروں میں انقلاب، بیاباں میں انقلاب محفل میں انقلاب، شبستاں میں انقلاب

جواب : حوالہ متن:

نظم کا عنوان: تغیر شاعر کا نام: احسان دانش

تشریح:

پہلے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ سورج اور چاند کی گردش ہمیں پیغام سفر دیتی ہے۔ یہ دن رات کا پیدا ہونا اسی گردش کا نتیجہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا میں صبح و شام کا کھیل نہ ہوتا یا یوں کہیے کہ دنیا میں رونق اور چہل پہل نہ ہوتی۔ دن چڑھتا ہے تو لوگ اپنے اپنے کام میں مگن ہو جاتے ہیں اور اپنے فرائضِ منصبی ادا کرنے کے لیے محنت شروع کر دیتے ہیں۔ نان جویں (روکھی سوکھی روٹی) کے حصول کے لیے وہ محنت کرتے ہیں اور جب رات پڑ جاتی ہے تو پھر آرام و سکون کے لیے خود کو وقف کر دیتے ہیں۔ یہ زندگی کا نظام ہے۔ اگر سدا دن رہے تو آدمی کی حیثیت بھی مشین کی سی ہو جائے۔ رات دن کا پیدا ہونا چاند اور سورج کی گردش پر موقوف ہے۔ یہ تغیر کا پیغام لاتے ہیں اور حقیقت میں یہ تغیر ہی زندگی کی علامت ہے۔

دوسرے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ شہروں اور بیابانوں میں ہر وقت انقلاب کا نعرہ بلند ہو رہا ہے۔ اگر جذبہ انقلاب نہ ہو تو زندگی منجمد ہو کر رہ جائے اور ترقی کا مکمل طور پر بند ہو جائے۔

شہروں میں انقلاب کا نعرہ معاشرے کی ترقی کے لیے ہے اور ہاتھ پیر مارنے کے مترادف ہے۔ اگر لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش بیٹھے رہیں تو معاشرے کی ترقی رُک جائے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ یک رنگی ترقی کی راہ میں زبردست رکاوٹ ہے، انسان مسلسل ایک ڈگر پر چل کر اکتا جاتا ہے۔ اگر صبح نئی اور شام نئی ہو تو زندگی بسر کرنا پُر لطف محسوس ہوتا ہے۔ انسانی سرشت کی تسلی کے لیے انقلاب ضروری

ہے۔اگر انقلاب نہ ہو تو ترقی کی راہیں مسدود ہو جائیں اور کائنات کا حسن ماند پڑ جائے۔

(ب) درجِ ذیل اشعار کی تشریح الگ الگ کیجیے اور شاعر کا نام بھی لکھیے: (1,3,3,3)

وائے دیوانگیِ شوق کہ ہر دم مجھ کو — آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیراں ہونا
عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنا مت پوچھ — عید نظارہ ہے شمشیر کا عُریاں ہونا
لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط — تُو ہو اور آپ بہ صد رنگ گلستاں ہونا

جواب: شاعر کا نام: مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

شعر نمبر-1

تشریح:

اِس شعر میں شاعر نے اپنے محبوب سے محبت کا اظہار کیا ہے۔ شاعر اپنے محبوب سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ وہ محبوب کا دیوانہ ہے اور اُسی کی یاد میں گم رہتا ہے' مگر اُسے افسوس ہے کہ اُسے اپنی محبت کا وہ جواب نہیں ملتا جس کا وہ حقدار ہے۔ ایسے میں اُسے اپنے محبوب کی گلی کی طرف نہیں جانا چاہیے' کیونکہ وہاں اس کو پذیرائی نہیں ملتی۔ محبوب کی گلی کا رُخ کرنے کا کوئی مقصد ہی نہیں' مگر شاعر کا دِل اپنے محبوب کی محبت میں اِس قدر دیوانہ ہے' کہ وہ بار بار اُدھر کا رُخ کرتا ہے اور ہر بار حیران ہوتا ہے کہ میں آخر اُدھر کیوں جاتا ہوں۔

شعر نمبر-2

تشریح:

اِس شعر میں شاعر کہتا ہے کہ اہلِ تمنا کے دل میں قربان ہونے کے لیے قتل گاہ کی طرف جانے میں جو خوشی چھپی ہوئی ہے' اس کے بارے مت پوچھو۔ اہلِ تمنا اپنے لیے تلوار کو نیام سے نکلتے دیکھ کر خوف زدہ نہیں ہوتے' بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ یہ نظارہ تو ان کے لیے عید ہے۔ شاعر اصل میں یہ کہنا چاہتا ہے کہ محبت کرنے والے کسی سے نہیں ڈرتے اور قربانی سے دریغ کرنا اِن کے اوصاف کا حصہ نہیں۔ وہ تو جان تک کا نذرانہ بھی بخوشی پیش کرتے ہیں۔

شعر نمبر-3

تشریح:

اس شعر میں شاعر محبوب کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اے محبوب! ہم تو مراد حاصل کیے بغیر قبر میں جا سوئے اور وصل سے جو شادمانی حاصل ہو سکتی تھی' اس کی آرزو کا داغ سینے میں لے گئے۔ اب تو جس

طرح چاہے باغ باغ ہو اور شاد و خرم رہ۔ ہماری خوشیاں بھی تجھے حاصل ہو جائیں۔ ہم بھی اس دنیا میں آئے تھے کہ اس دنیا کی رونق سے لطف اندوز ہوں گے لیکن ہمارے مقدر میں تلخیوں اور رسوائیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ تمام حسرتیں لے کر ہم اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اب ہماری یہ دعا ہے کہ تو اس دنیا میں گلستان کی مانند رہے جس میں ہر طرف بہار ہی بہار ہو۔ سینکڑوں رنگوں کے پھولوں میں تو خوش و خرم رہے اور آباد رہے۔

(حصہ دوم)

سوال: 3- سیاق و سباق کے حوالے سے کسی ایک جزو کی تشریح کیجیے۔ نیز سبق کا عنوان اور مصنف کا نام بھی لکھیے: (10,3,1,1)

(الف) غرض پہلی ہی ملاقات میں مزاج دار نے جٹن کے ساتھ ایسی بے تکلفی کی کہ اپنا حال جزو وکل اس سے کہہ دیا اور جٹن نے باتوں ہی باتوں میں تمام بھید معلوم کر لیا۔ ایک پہر کامل جٹن بیٹھی رہی۔ رخصت ہونے لگی تو مزاج دار نے بہت منت کی کہ اچھی بی جٹن، اب کب آؤ گی؟ جٹن نے کہا: "میری بھانجی موم گروں کے چھتے میں رہتی ہے اور بہت بیمار ہے۔ اسی کے علاج کے واسطے میں آگرے سے آئی ہوں۔ اس کے دوا معالجے سے فرصت کم ہوتی ہے۔ مگر انشاءاللہ دوسرے تیسرے تم کو دیکھ جایا کروں گی۔"

جواب: جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2018ء (دوسرا گروپ)، سوال نمبر 3 (الف)۔

(ب) مولوی نذیر احمد علی گڑھ کے لیے چندہ اگاہنے کے سلسلے میں بہت کارآمد آدمی تھے، اس لیے جہاں تک ممکن ہوتا سرسید انھیں اپنے دوروں میں ساتھ رکھتے اور ان سے تقریریں کراتے۔ نذیر احمد کی قوتِ تقریر کے متعلق کہا جاتا تھا کہ انگلستان کا مشہور مقرر برک بھی اُن سے زیادہ مؤثر تقریر نہیں کر سکتا تھا۔ اب بھی اگلے وقتوں کے لوگ، جنھوں نے مولوی صاحب کے لیکچر سنے ہیں، کہتے ہیں کہ یا تو ہم نے ڈپٹی صاحب کو دیکھا یا اب اخیر میں بہادر یار جنگ مرحوم کو دیکھا کہ سامعین پر جادو سا کر دیتے اور جو کام ان سے چاہتے لے لیتے۔ جب چاہا انھیں ہنسا دیا اور جب چاہا ان کی جیبیں خالی کرا لیں اور عورتوں کے زیور تک اتروا لیا کرتے تھے۔

جواب: حوالۂ متن:

سبق کا عنوان: مولوی نذیر احمد   مصنف کا نام: شاہد احمد دہلوی

سیاق وسباق:

مولوی صاحب کا بچپن بڑی تنگدستی میں گزرا۔ وہ مسجد میں رہ کر روٹیاں مانگ مانگ کر گزارہ کرتے رہے، لیکن اتنے بڑے عالم اور مقرر و معزز بنے کہ سرسید احمد خاں جو ان سے بیس بائیس سال بڑے تھے اور انگریز حکام میں بھی معزز تھے، آپ سے کہا کرتے تھے کہ مولوی صاحب! میں اس لائق بھی نہیں ہوں کہ آپ کے جوتے کے تسمے باندھوں۔ مولوی صاحب کے سسرال والے خاصے خوشحال تھے، لیکن مولوی صاحب اس قدر غیور تھے کہ ان کے ٹکڑوں پر پڑے رہنے کی بجائے اپنا الگ سے مکان لے کر رہتے رہے۔ عربی میں غیر معمولی صلاحیت رکھنے کے باعث اور بعض احباب کے اصرار پر قرآنِ پاک کا ترجمہ کیا، جو بے حد آسان، رواں اور بامحاورہ ہے۔ اپنی تمام کتابوں میں سے اسے سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ میرا توشۂ آخرت ہے۔

تشریح:

اس پیرے میں مصنف شاہد دہلوی کہتے ہیں کہ مولوی صاحب علی گڑھ کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کے حوالہ سے بہت ہی کارآمد انسان تھے۔ ایک دفعہ سرسید جب کالج کے لیے چندہ جمع کرنے پنجاب گئے تو توقع کے خلاف لوگوں نے چندہ نہ دیا، بلکہ آپ کے خلاف نعرے بھی لگائے گئے۔ سرسید نے دہلی سے مولوی نذیر احمد کو بلوایا۔ ان کی تقریر جب ختم ہوئی تو وہی عوام جنھوں نے ان کے خلاف نعرے لگائے تھے انھی پر روپیہ برسا رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سرسید اپنے دوروں میں ان کو ساتھ رکھتے تھے۔ ان کی تقریریں بڑی مؤثر ہوتی تھیں یوں کہ لیجیے کہ مؤثر تقریر کرنے میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ حتیٰ کہ برطانوی مقرر برک جو فنِ تقریر کے حوالے سے لوگوں پر سحر طاری کر کے ان سے اپنی مرضی کا کام لینے میں مشہور تھا، وہ بھی مولوی صاحب سے بہت پیچھے تھا۔ پرانے وقتوں کے لوگ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مولوی صاحب کی تقریریں اس قدر اثر آفریں اور سحر طاری کرنے والی ہوتیں کہ سامعین ان کو سن کر اپنی جیبیں خالی کیے بغیر نہ رہتے تھے حتیٰ کہ عورتیں جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ان کو اپنا زیور اپنی جان سے بھی عزیز ہوتا ہے وہ اسے اُتار کے دے دیا کرتی تھیں۔

سوال 4:- درجِ ذیل میں سے کسی ایک نصابی سبق کا خلاصہ لکھیے اور مصنف کا نام بھی تحریر کیجیے: (9,1)

(الف) پہلی فتح   (ب) ایوب عباسی

جواب:

(الف) پہلی فتح

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2016ء (پہلا گروپ)' سوال نمبر 4 (ب)۔

(ب) ایوب عباسی

مصنف: پروفیسر رشید احمد صدیقی

محمد ایوب عباسی بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ قدرت کی ان نعمتوں کی طرح تھے جو انسانی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں۔ وہ دوستوں سے گھل مل جاتے۔ ان کی عدم موجودگی میں ان کی غیر حاضری کا احساس ہوتا۔ وہ سادہ لوح تھے۔ ان کی ذات میں بظاہر کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ خوش پوشاک' خوش گفتار' خوش باش بھی زیادہ نہ تھے۔ تاہم اخلاق کے پیکر تھے۔ سیاہ فام' چیچک رو' پستہ قد' نحیف جسم اور معمولی آدمی تھے' لیکن جو کوئی دیکھے ان کا غلام بن جائے۔ میری (مصنف) اور میرے عزیز و اقارب کی زندگی میں ایوب عباسی کا خاصا عمل دخل تھا۔ ان کی وفات نے ہمیں غمزدہ کر دیا۔ وہ لطف و محبت کے پیکر تھے۔

ایوب میرے دوستوں اور اہلِ خاندان پر جان چھڑکتے تھے۔ وہ ہماری خوشی اور غم میں فوری اور ہر وقت شامل ہوتے اور کسی بھی مرحلے پر میری دل آزاری نہ کرتے۔ ہم سے کوئی کام بگڑ جاتا یا ہم نے کوئی اہم کام انجام دینا ہوتا تو اس کی ذمہ داری ایوب پر ڈال دیتے اور بہانے نکال کر انھیں سخت سست کہتے۔ وہ حکم ملتے ہی مشغول و مصروف نظر آتے اور دوڑے آتے۔ انھیں ڈانٹو تو نادم ہو کر ہنستے۔ دوسروں سے صلواتیں سنتے اور کبھی سنا بھی دیتے۔ ایوب صاحب کا گھر بارہ مہینے تھرڈ کلاس کا مسافر خانہ بنا رہتا تھا۔ ہر طرح کے لوگ وہاں ٹھہرتے تھے۔ ان کے خرچ پر بے شمار طلبہ نے تعلیم حاصل کی۔ وہ طلبہ کی اکثر ضرورتوں کا خیال رکھتے اور اس کام میں بے پناہ مشغول رہتے۔ دوستوں میں سے کوئی بیمار ہوتا تو وہ ان کی بے لوث خدمت کرتے۔ کوئی بیماری کے دوران میں چڑ چڑے پن کا مظاہرہ کرتا تو اس کی سخت سست باتوں کو بھی سہ لیتے اور گالیاں بھی سن لیتے تھے۔ بیمار اچھا ہوتا تو پھر شکریے میں بھی سخت سست ہی کلمات ہوتے لیکن ایوب صاحب ہر بات ہنسی خوشی برداشت کر لیتے۔ دوسروں کا کام دلجمعی سے کرتے اور ناراضی سے دور رہتے۔

علی گڑھ میں داخلے کا زمانہ ہنگامے کا ہوتا ہے۔ لوگ خوشامد کرتے اور تعریفوں کے پُل باندھتے ہیں مقصد یہی ہے کہ ان کے بچے کو یونیورسٹی میں داخلہ مل جائے۔ داخلے کا زمانہ برسات کا زمانہ ہوتا ہے۔ اسی زمانے میں ''والدین'' معدے کی خرابی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پیچش اور اسہال کا عارضہ عام ہوتا ہے۔ کسی کو حکیم کی دوا راس آتی ہے اور کوئی ڈاکٹری ادویات سے علاج کرانے سے مطمئن ہوتا ہے۔ اس

زمانے میں اور ایسے مواقع پر ایوب مرحوم آتے تھے۔ کسی کے لیے چارپائی کا انتظام کرتے۔ کسی کے پاس کوئی سرٹیفکیٹ نہ ہوتا تو اس کی سبیل نکالتے۔ ضرورت مندوں کے لیے بورڈنگ ہاؤس میں رہائش مہیا کرواتے۔ کسی کے پاس رقم کی ادائیگی کا بندوبست نہ ہوتا تو قسطوں میں دینے کا بندوبست کرواتے۔ کتاب یا فرنیچر کی ضرورت کا خیال رکھتے۔ والدین اور سرپرستوں کے لیے حقے یا پرانے اردو ناولوں کا حسبِ ضرورت اہتمام کرتے۔

ایوب صاحب کی سیرت و شخصیت کا نادر پہلو یہ تھا کہ ہر چھوٹا بڑا ان سے محبت کر کے تسکین حاصل کرتا تھا۔ ان سے محبت کا مطلب پاکیزہ خیالی اور ناراضی کا مطلب احساسِ ذمہ داری کی کمی ہے۔ ایوب کسی لالچ اور معاوضے کے بغیر دوسروں کی خدمت کرتے تھے۔ پرووسٹ (ہاسٹلز کے منتظمِ اعلیٰ) کے دفتر میں کام کرنے کے سبب طلبہ سے ان کا براہِ راست معاملہ رہتا۔ وہ ہر طالب علم کے خاندانی حالات اور معاملات سے بھی واقف رہتے تھے اور اسی کی روشنی میں اس سے سلوک کرتے تھے۔ ہڑتال کے زمانے میں بے قابو لڑکوں پر ان کا جادو چل جاتا اور وہ لڑکوں کے ساتھ وہ طرزِ عمل اختیار کرتے جو میدانِ جنگ میں صلیبِ احمر کا ہوتا ہے۔

ایوب صاحب یونیورسٹی کے معاملات سے ہمیشہ دور رہتے اور حتی المقدور دوستوں کو بھی الگ رکھتے۔ فرصت ملتی تو وہ اپنے خاندانی معاملات کا ذکر لے بیٹھتے۔ میں ہمہ تن گوش ہو جاتا تو وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا محسوس کرتے۔ وہ اپنے رشتہ داروں سے راضی نہ تھے، کیوں کہ وہ ایوب کی سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے۔ دشمنی اور منافقت سے کام لیتے۔ ایک دن بڑے اداس اور آبدیدہ تھے۔ پوچھا تو عزیزوں کی سنگدلی کا ذکر کیا۔ میں نے سمجھایا، بددل نہ ہوں۔ عزیز و اقارب حسد کرتے ہیں کہ آپ نیک کام کیوں کرتے ہیں؟ یہ ان کا وتیرہ ہوتا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ تم نے محنت اور لگن سے یہ مقام حاصل کیا ہے۔

ایوب جن لوگوں کو عزیز رکھتے انھیں میرے ہاں ضرور لاتے۔ ان کے عزیزوں کے ہاں خوشی یا غم کی کوئی صورت ہوتی تو مجھے مجبور کرتے کہ میں وہاں ضرور آؤں، میں ان کا کہا مانتا تو خوش اور شکر گزار ہوتے۔ جس بات سے انھیں مسرت پہنچتی اس میں مجھے ضرور شریک کر لیتے اور جب میں ان کے کسی انتخاب کو پسند کر لیتا تو اسے مقبولیت کی سند مل جاتی۔ میں مرحوم کے شعور اور تحت الشعور سے واقف تھا۔

ایک لطیفہ سنیے۔ ایک دن کہنے لگے رشید صاحب پتلون پہنا کیجیے۔ عرض کیا کیوں؟ کہنے لگے بس آپ کو اچھی لگتی ہے۔ میرے اور ان کے ایک بے تکلف دوست بھی بیٹھے تھے، کہنے لگے رشید صاحب قیامت تک نہ پہنیے گا۔ ایوب خود پتلون پہننا چاہتے ہیں۔ اسی لیے کہہ رہے ہیں۔ ان کی باتوں میں نہ آئیں۔

ایک دن سردیوں میں سب دوست ڈاکٹر عبادالرحمان کے ہاں بیٹھے تھے کہ ''ایوب'' مرحوم کہنے لگے ''سردی لگ رہی ہے'' ڈاکٹر عبادالرحمان کہنے لگے۔ ''نہ ڈھنگ سے کھاتے ہو، نہ شریفوں کی طرح رہتے ہو، سردی نہیں لگے گی تو اور کیا لگے گا۔'' ڈاکٹر صاحب گرم کوٹ لائے اور اچھی طرح اوڑھا دیا۔ چائے منگوا کر پلائی۔ اس کے بعد مرحوم نے کہا کہ میں گھر کی طرف چلا۔ میں ان کے لہجے سے گھبرایا۔ ہم انھیں گرم کپڑے اوڑھا کر ان کے مکان تک لائے۔ صبح سے بخار نے زور پکڑا، لیکن کمزوری اور نقاہت بڑھتی گئی۔ دو تین ہفتے میں موت کے منہ میں چلے گئے۔ ان کے جنازے پر ہر کوئی دل گرفتہ تھا اور ہر آنکھ اشک بار تھی۔

سوال :5- مجید امجد کی نظم ''ایک کوہستانی سفر کے دوران میں'' کا خلاصہ تحریر کیجیے۔ (5)

جواب : جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2016ء (دوسرا گروپ)، سوال نمبر 5۔

سوال :6- درجِ ذیل عنوانات میں سے کسی ایک عنوان پر مفصل مضمون تحریر کیجیے: (20)

(الف) میرا پسندیدہ مشغلہ (ب) اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات

(ج) دہشت گردی: ایک ناسور

جواب :

(الف) میرا پسندیدہ مشغلہ

ہر انسان اپنے فرصت کے لمحات میں کسی نہ کسی مشغلے کو پسند کرتا ہے۔ مشاغل سے انسان کو ایک طرح کی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ انسان جب کام کاج سے اکتا جاتا ہے تو مشاغل میں دلچسپی اسے آسودگی، سکون اور سرور بہم پہنچاتی ہے۔ مشاغل کی دنیا ریٹائرڈ اور بوڑھوں کو کسی اور رنگ میں نظر آتی ہے۔ اگر مشاغل نہ ہوتے تو بوڑھے اور ریٹائرڈ لوگ جلدی ہی اس دارِ فانی سے کوچ کر جاتے۔

ایک امیر بوڑھے کے متعلق مشہور ہے کہ وہ نئے لٹھے کے کپڑے کے پھاڑنے کی آواز کو پسند کرتا تھا۔ وہ کسی نہ کسی کپڑا فروش کے ہاں چلا جاتا اور اس کو تین چار گز کپڑے کی قیمت ادا کرتا اور اسے تار تار کرنے کا حکم دیتا، اور اس آواز میں مست رہتا۔ ممکن ہے اس کی بنیاد میں یا پس منظر میں کوئی نفسیاتی مرض کار فرما ہو، جسے ماہرِ نفسیات ہی خوب سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ وہ ہسپتال جہاں مریضوں کے لیے مختلف مشاغل کا انتظام ہوتا ہے وہاں کے مریض جلد صحت یاب ہو جاتے ہیں، کیونکہ ایک مریض کی حالت جو مسلسل یکسانیت کا شکار ہوتی ہے وہ مشاغل سے بدل جاتی ہے۔ جس سے وہ جلدی صحت یاب ہو جاتا ہے، کیونکہ یکسانیت کی زندگی کا ردِعمل ہی مشاغل میں دلچسپی ہے، لہٰذا جب انسان یکسانیت کے اُمور سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں تو وہ مشاغل کی دنیا میں پناہ لیتے ہیں۔

مشغلے کئی قسم کے ہیں۔ مثلاً فوٹوگرافی' باغبانی' سکے اور ٹکٹیں جمع کرنا۔ بعض لوگ مصوری کو بھی مشغلہ کے طور پر اپنا لیتے ہیں۔ مشغلہ اگر چہ تفریح کی غرض سے اختیار کیا جاتا ہے' لیکن پھر بھی یہ احتیاط ضروری ہے کہ اس سے ہمیں کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور حاصل ہو۔ بے فائدہ مشغلہ تو محض وقت ضائع کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ میرا پسندیدہ مشغلہ ڈاک ٹکٹ جمع کرنا ہے۔ میرے پاس بہت سے ٹکٹ ہیں۔ ان میں پاکستان' ہندوستان اور مشرقی و مغربی ممالک کے دلفریب ٹکٹ موجود ہیں۔

میں نے ٹکٹ اکٹھے کرتے وقت ایک بات کی طرف خاص طور پر توجہ دی ہے۔ میرے البم میں موجود زیادہ تر ٹکٹ خاص خاص مواقع کی عکاسی کرتے ہیں۔ دل چاہتا ہے اپنے اس البم کی مدد سے آپ کو بھی کچھ خاص باتیں بتاؤں۔ یہ خوبصورت سا ٹکٹ جس پر بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ آپ کے سوسالہ یومِ پیدائش کے موقع پر 1976ء میں حکومت پاکستان نے شائع کیا تھا۔ اس ٹکٹ کی مالیت دس روپے ہے۔ یہ دوسرا ٹکٹ جو مصورِ پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ کے صد سالہ یوم پیدائش پر 9 نومبر 1977ء کو شائع کیا گیا تھا۔ یہ ٹکٹ ہمیں اپنے اس محسن کی یاد دلاتا ہے' جس نے ہمیں پاکستان کا تصور دیا۔

ایک ٹکٹ طوطیٔ ہند حضرت امیر خسروؒ کی شبیہ سے مزین ہے۔ یہ حضرت امیر خسروؒ کی سات سویں برسی کے موقع پر شائع ہوا تھا۔ یہ ٹکٹ شائع کر کے حکومت نے حضرت امیر خسروؒ کو سرکاری سطح پر خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ اسی طرح آر سی ڈی کے بارے میں بہت سے نادر ٹکٹ میرے پاس موجود ہیں۔ حکومت ہندوستان نے 1978ء میں مولانا محمد علی جوہر کے صد سالہ یوم پیدائش پر ایک خوبصورت ٹکٹ شائع کیا تھا' یہ ٹکٹ بھی میرے البم میں موجود ہے۔ اس ٹکٹ پر دی گئی معلومات کے مطابق مولانا 1878ء میں پیدا ہوئے اور 1931ء میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ایک بہت اہم ٹکٹ 12 ربیع الاول 1399ھ کے موقع پر شائع ہوا ہے۔ 12 ربیع الاول ہمارے نبی برحق حضرت محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی تاریخِ پیدائش ہے۔ یہ ٹکٹ بڑی عقیدت و احترام سے شائع کیا گیا ہے۔ کراچی کی بندرگاہ 1839ء میں دریافت ہوئی۔ 10 مارچ 1880ء کو کراچی بندرگاہ کی تعمیر شروع ہوئی۔ قیامِ پاکستان کے بعد 1964ء تک 13 کارگو اسٹیشن مکمل ہو چکے تھے۔ اس اہم پاکستانی بندرگاہ کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر 15 جولائی 1980ء کو پاکستان کے محکمہ ڈاک نے ایک روپے مالیت کا ڈاک ٹکٹ جاری کیا۔ اس ٹکٹ کا نمونہ بنانے والے کا نام عادل صلاح الدین ہے۔

ٹکٹ ہماری ملی تاریخ کے زبردست ترجمان ہیں۔ ان کی مدد سے ہم نہ صرف اپنی تاریخ سے واقفیت حاصل کرتے ہیں' بلکہ دوسروں سے اپنے تعلقات کے بارے میں بھی بخوبی آگاہ ہوتے ہیں۔

پاکستانی ٹکٹوں کے علاوہ میرے پاس ہندوستان کے کئی بیش قیمت تاریخی ٹکٹ ہیں۔ان کے علاوہ گھانا' کینیا' سعودی عرب' متحدہ عرب امارات' قطر' سلطنتِ عمان' امریکہ اور انگلستان کے بھی بے شمار ٹکٹ ہیں۔ان میں سے بیشتر ٹکٹ استعمال شدہ ہیں۔کچھ ٹکٹ بالکل نئے ہیں اور میں نے ان کو خود ڈاک خانے سے خریدا ہے۔اگر چہ فوٹو گرافی کی طرح یہ بھی قدرے مہنگا مشغلہ ہے' لیکن اس کے فوائد فوٹو گرافی کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔میرے دوست میرے البم کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔

(ب) اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات

اسلام اس کائنات میں اللّٰہ کا آخری دین ہے' جو اللّٰہ کا پسندیدہ بھی ہے اور ہر لحاظ سے مکمل اور جامع بھی ہے اور زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

الیوم اکملت لکم ۔۔(آج میں نے تمھارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمھارے لیے دین اسلام پسند کیا)۔

اسلام ایک مکمل دین ہے۔ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔یہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے یعنی' ہر دور کے لیے مکمل اور جامع ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کی شکل میں انسانیت کے لیے ایک مکمل منشورِ زندگی عطا کیا ہے۔چونکہ اسے بھیجنے والا ہر دور کی ہر ضرورت سے آگاہ ہے' اس لیے اس میں ہر ملک' ہر قوم اور ہر شخص کے لیے رہتی دنیا تک کی تمام ضروریات کے لیے ہدایت اور رہنمائی کے اصول موجود ہیں۔یہ ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اس قدر مکمل ہے کہ اس میں نہ کسی ترمیم کی ضرورت ہے اور نہ کسی قسم کے اضافے کی اور پھر اسے محفوظ اس طرح کر دیا گیا ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود خالقِ کائنات نے اپنے ذمے لے لی ہے۔اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے اسوۂ پاک کی شکل میں قرآنِ پاک کی عملی تعبیر بھی ہمارے سامنے ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظامِ حیات کے بنیادی مآخذ دو ہیں: ایک قرآن اور دوسرا سنتِ رسول ﷺ۔نہ قرآن کا کوئی رخ دھندلایا ہے اور نہ شریعت کا کوئی انداز مرجھایا ہے۔دونوں آج بھی ویسے کے ویسے شگفتہ ہیں جیسے کہ آج سے صدیوں پہلے تھے۔دنیا میں بڑی تبدیلیاں آتی ہیں اور آتی رہیں گی۔انسان کی خوب سے خوب تر کی تلاش جاری ہے اور جاری رہے گی' لیکن اسلام ایسا مکمل اور ارفع دین ہے کہ اس میں ہر نئی چیز کا حل موجود ہے۔علامہ اقبالؒ کے بقول:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید   کہ آرہی ہے دما دم صدائے کن فیکون

اسلام صرف مذہب نہیں یعنی محض عقائد اور عبادات کا مجموعہ نہیں' بلکہ یہ ایک دین ہے اور پوری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔موجودہ انسانی زندگی کو تین بڑے شعبوں یا حصوں

میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ایک سیاست' دوسرے معیشت اور تیسرے معاشرت۔ یہ تینوں وہ دائرے ہیں جو انسانی زندگی پر محیط ہیں۔ جہاں تک سیاست کا تعلق ہے۔ اسلام میں فریب کاری' دھوکا بازی' ریاکاری اور حصولِ طاقت کے لیے جائز و ناجائز ذرائع کے استعمال کا نام سیاست نہیں' بلکہ سیاست سے مراد بادشاہ اور رعایا' حاکم اور محکوم کے حقوق' فرائض کی نگہداشت اور آئین و قوانین کا تعین ہے۔ اسلام میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ خلافت' بادشاہت یا حکمرانی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے' جو انسان کے سپرد کی گئی ہے۔ حاکم کو قرآنی احکامات اور اسوۂ حسنہ کی پیروی میں ہر قدم اٹھانا ہوگا اور وہ خود کو رعایا کا حاکم نہیں' بلکہ رعایا کا خادم تصور کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے:

سید القوم خادمھم۔ (قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے) اسلام کا دیا ہوا معاشی نظام بھی خود ایک الگ اور مکمل نظام ہے اور دوسرے تمام نظاموں سے بہتر اور برتر ہے۔ اس کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ اسلام کا معاشی نظام صرف انسان کی معاشی اور مادی فلاح و بہبود اور ترقی کو ہی پیشِ نظر نہیں رکھتا' بلکہ اس کی اخلاقی اصلاح اور روحانی ترقی کو بھی پیشِ نظر رکھتا ہے۔ یہ ایسا نظام پیش کرتا ہے جس میں انفرادی سطح پر اور معاشرے میں اجتماعی سطح پر اعلیٰ اخلاقی قدروں کو فروغ حاصل ہو۔ انسانی ہمدردی اور خیر خواہی کا پورا پورا لحاظ کیا جاتا ہے۔ دولت کمانے اور دولت خرچ کرنے کے سلسلے میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز روا رکھی جاتی ہے۔ سادگی' کفایت شعاری اور ایثار کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ شرفِ انسانی' عزتِ نفس اور احترام و اکرام کا خیال کیا جاتا ہے۔ کمزوروں' محتاجوں' معذوروں' یتیموں' بیواؤں' مسافروں' بیماروں' بے روزگاروں اور بوڑھوں کی حاجات اور ضروریات کی کفایت کو اجتماعی ذمہ داری قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسلام کے معاشی نظام میں حلال و حرام کی تمیز' اجارہ داریوں کی حوصلہ شکنی' ذخیرہ اندوزی کی ممانعت' سادگی اور پھر کفایت شعاری' زکوٰۃ اور صدقہ' خیرات جیسی اقدار ملتی ہیں' جس پر عمل کر کے اقوامِ عالم خصوصاً مسلمان ممالک ترقی و عروج کی منزلوں کو حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ خدائے واحد کی خوشنودی کو پانے میں بھی کامیاب ہو سکتے ہیں۔

انسانی زندگی میں روزمرہ کی زندگی نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے انسان کی معاشرتی زندگی کے سلسلے میں مکمل طور پر اصول اور ضابطے دیے ہیں۔ اسلام کا نظامِ معاشرت اس قدر مضبوط اور پائیدار بنیادوں پر استوار ہے کہ وہ انسانی زندگی کے کسی پہلو پر بھی خاموش نہیں ہے۔ اسلام انفرادی اور اجتماعی دونوں میدانوں میں فرد اور معاشرے کی رہنمائی کرتا ہے اور اس سلسلے میں شخص کی جداگانہ شخصیت کا قائل ہے' اسی لیے وہ فرد کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ چنانچہ وہ ہر فرد کو اپنے اعمال کے ضمن میں اللہ کے سامنے جوابدہ قرار دیتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ہے کہ:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا۔ (جس نے نیک کام کیا تو اپنے لیے کیا اور جس کسی نے برائی کی تو وہ اسی کے آگے آئے گی۔)

اسلام معاشرے کی اصلاح پر بھی اتنی ہی توجہ دیتا ہے جتنی کہ فرد کی اصلاح کے لیے تگ و دو کرتا ہے۔ اس لیے کہ فرد کی اصلاح اور معاشرے کی اصلاح لازم و ملزوم بھی ہیں اور باہم مربوط بھی۔ چنانچہ اسلام نے نہ صرف اجتماعی رنگ میں مکمل اصلاح' کی بلکہ انفرادی شکل میں بھی درستی اور فلاح کا پروگرام دیا اور اس طرح کامل اصلاح کی طرف توجہ دی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات کہا جاتا ہے۔

(ج) دہشت گردی: ایک ناسور

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2016ء (دوسرا گروپ)' سوال نمبر 6 (الف)۔

سوال: 7- تاریخی مقام کی سیر کے احوال پر مبنی' اپنے دوست کے نام خط تحریر کیجیے۔ (10)

جواب: کمرۂ امتحان

20 جولائی 2019ء

پیارے دوست جاوید اقبال!

السلام علیکم! کل کی ڈاک سے آپ کا خیریت نامہ ملا۔ اللہ کے فضل سے میں بالکل خیر و عافیت سے ہوں اور اپنی پڑھائی کے کام میں باقاعدہ مصروف ہوں۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ گاہے بگاہے تفریح بھی کر لیتا ہوں۔ پچھلے اتوار کو موسم نہایت خوشگوار تھا۔ آسمان پر بادل چھا جانے کے باعث لُو کے جھکڑ ٹھنڈی ہوا میں تبدیل ہو گئے۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی شروع ہو گئی۔ ایسے خوشگوار موسم میں طبیعت سیر کے لیے مچلنے لگتی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے دوستوں کے ہمراہ مقبرہ جہانگیر کی سیر کا پروگرام بنایا۔ میں آپ کو اسی پروگرام کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔

ہم نے اس سیر سے لطف اندوز ہونے کے لیے فی کس سو سو روپے اکٹھے کیے۔ ہم نے عمدہ قسم کے پانچ کلو آم خریدے۔ اپنے اپنے کھانے کے ٹفن کیریئرز ہمراہ لیے اور بس میں سوار ہو کر مقبرہ جہانگیر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ہم دریائے راوی کے پل سے گزر رہے تھے تو ایک طرف تو دریائے راوی کا منظر تھا اور دوسری جانب مقبرہ جہانگیر کے پُرشکوہ مینار ایک عجیب نظارہ پیش کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں ہم مقبرہ جہانگیر کے صدر دروازے پر پہنچ گئے۔ ہم بس سے اُتر کر صدر دروازے سے

گزرے اور اس تاریخی عمارت کی چار دیواری میں داخل ہوئے۔ مقبرے کی پرشکوہ عمارت اور حسین و دلفریب باغات اپنے خوشنما جلوؤں کے ساتھ ہمارے روبرو تھے۔ ہم روشوں پر سے گزرتے ہوئے اور ارد گرد کے دلفریب مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جہانگیر کے مزار تک پہنچے۔ مزار کے طلسماتی ماحول نے ہم پر ایک عجیب و غریب کیفیت طاری کر دی اور ہم چند لمحات کے لیے اپنے شاندار ماضی کی یادوں میں کھو کر رہ گئے۔

یہ مزار مغلیہ فنِ تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ سنگِ مرمر کا بنا ہوا یہ ہشت پہلو مزار سنگِ سرخ کے بنے ہوئے پانچ فٹ اونچے ایک مربع چبوترے پر ہے۔ جس پر قسم قسم کے قیمتی پتھروں سے بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ اس عظیم مقبرے کے اوپر جانے کے لیے چاروں طرف سنگِ سرخ کے زینے بنے ہوئے ہیں۔ چاروں گوشوں پر چار برج ہیں اور ہر برج پر ایک مینار ہے۔ یہ مقبرہ شاہ جہان کا بنوایا ہوا ہے۔ اس پر دس لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔

اس کے بعد ہم نور جہاں کے مزار کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ مزار ریلوے لائن کے اس پار مغرب کی طرف ہے جب ہم مزار کے احاطے میں داخل ہوئے تو اس کے ویران اور اُداس ماحول کو دیکھ کر ہم پر ایک افسردگی سی طاری ہو گئی۔ انقلاباتِ زمانہ دیکھیے' ایک عجیب منظر روبرو تھا۔ یہ عمارت بھی سنگِ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھروں کی بنی ہوئی تھی۔ اسے خود نور جہاں نے اپنی زندگی میں تین لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کرایا تھا۔

اب بارہ بج چکے تھے۔ ہم نے ایک باغیچے میں بیٹھ کر کھانا کھایا اور آموں سے لطف اندوز ہوئے۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ ہم نے ایک قریبی مسجد میں نماز ادا کی اور پھر مقبرہ میں واپس آ گئے۔ دیر تک سیر اور خوش گپیوں سے دل بہلاتے رہے۔ شام ہوئی تو ہم گھر واپس آ گئے۔ میں اس سیر کی یادوں کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔

اپنے ابا جان کی خدمت میں میرا مؤدبانہ سلام کہنا۔ ننھے گڈو کو پیار۔

آپ کا دوست

ا۔ب۔ج